

مکاتیب نبوی کا ادبی پہلو

ڈاکٹر خورشید رضوی

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ فصاحت و بلاغت اہل عرب کا طرہ امتیاز تھا جس پر انہیں بہت ناز تھا۔ انہیں ان کے عجز کا احساس دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم المعجزات یعنی قرآن حکیم عطا فرمایا جس کی فصاحت و بلاغت نے ان زبان آوروں کو گنگ کر دیا چنانچہ قرآن نے لکار کر ان سے کہا۔

”فان کنتم فی رب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثله فادعوا شہداء کم من دون اللہ ان کنتم صدقین (۱)“

”اور اگر تم اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے کسی شک میں ہو تو پھر اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ سے ہٹ کر تمہارے جو گواہ ہوں انہیں بلاؤ، اگر تم سچے ہو۔“

اور ساتھ ہی یہ فرما کر اس امکان کی قطعیت کے ساتھ نفی کر دی کہ:

”فان لم تفعلوا فلن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة اعدت للكافرين“ (۲)

”پھر اگر تم یہ نہ کر سکو۔ اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔ تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے“

معجزات انبیاء علیہم السلام کے سلسلے میں ایک نکتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس قوم کو جس چیز پر بہت ناز ہوتا ہے پیغمبر کے ہاتھوں اسی میں اس کے عجز کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی بے مثل فصاحت و بلاغت کے حوالے سے قاضی ابوبکر محمد بن اللیب الباطانی (م ۳۰۳ ھ) اپنی مشہور تصنیف ”عجاز القرآن“ میں فرماتے ہیں:

”.....حیرہم فیہ‘ اذکان من جنس القول الذی زعموا انہم ادکوا فیہ النہایتہ‘ وبلغوا فیہ النہایتہ‘ فمرفوا عجزہم‘ کما عرف قوم عیسیٰ نقصانہم فیما قدروا من بلوغ اقصیٰ الممكن فی العلاج‘ والوصول الی اعلیٰ مراتب الطب‘ فجاءہم بما بہرہم: من احیاء الموتی‘ وبراء الاکتمہ والابصر‘ وکما اتی موسیٰ بالمصاالتی تلفت مادقوا فیہ من سحرہم....“ (۳)

”اس کے بارے میں انہیں ورطہ حیرت میں ڈال دیا کیونکہ یہ اسی جنس کلام پر مشتمل تھا

جس کے متعلق انہیں زعم تھا کہ وہ اس کی غایت و انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ چنانچہ ان کا عجز انہیں معلوم ہو گیا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو اپنا نقص اس میدان میں معلوم ہو گیا تھا جس میں ان کو ہر ممکن حد تک قدرت حاصل ہو چکی تھی یعنی علاج معالجہ اور طب کے اعلیٰ مراتب تک رسائی۔ حضرت عیسیٰ نے ان کے سامنے مردوں کو زندہ کرنے اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو شفا بخشنے کی وہ صورت پیش کی کہ وہ ششدر رہ گئے یا جس طرح حضرت موسیٰ وہ عصا لائے جس نے ان کے جادو کو، جس میں وہ بڑی باریکیوں تک پہنچ چکے تھے، اچک لیا.....“

زباں آور ان عرب کسی کی بات اس وقت تک سنتا گوارا ہی نہیں کرتے تھے جب تک اس کا کلام اپنی قوت و شوکت سے ان کی سماعتوں کو بزور اپنی طرف مبذول نہ کر لے۔ چنانچہ ”العی ش“ یعنی عجز بیان ان کی نظر میں بہت بڑا عیب تھا۔ کامل مبرو میں بیان ہوا ہے کہ شعر میں وزن کو پورا کرنے کے لئے بھرتی کے الفاظ لانا یا نثر میں سلسلہ کلام کو یاد کرنے کے لئے بھرتی کے جملے ڈالنا مثلاً ”سنا آپ نے“ ”سکھے آپ“ ”صاحب کس خیال میں ہیں“ وغیرہ، ان کے نزدیک عیب کلام تھا جس کا نام ”استحانت“ تھا یعنی غیر متعلق چیزوں سے مدد لینا۔ گفتگو کے دوران انگلیوں کو توڑنا مروڑنا یا داڑھی پر ہاتھ پھیرنا یا بار بار کھانسا کھکانا بھی اسی ذیل میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر نے ایک مقرر کی بھوکرتے ہوئے کہا ہے:

ملی بہر والصفات وسملته ومسحته عشون ففعل الاصابع

”بار بار اس کی سانس پھولنے لگتی ہے، مڑ کر ادھر ادھر دیکھتا ہے، کھانسا ہے داڑھی کھجاتا ہے اور انگلیوں کو بل دیتا ہے“ (۴)

اس تمہید کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ یہ قوم جس کے نزدیک قدرت کلام ہی انسانی وقار کا سب سے بڑا پیمانہ تھا اور جس کی تادیب ذہنی کے لئے قرآن مجید جیسی بلیغ کتاب نازل فرمائی گئی اس قوم میں جس نبی امی --- ذراہ ابی وامی --- کو مبعوث کیا گیا اس کا طلاق لسانی اور فصاحت بیانی سے متصف ہونا کس قدر ناگزیر تھا۔ چنانچہ خالق انسان اور معلم بیان نے یہ اہتمام فرمایا کہ نبی عربی، صلی اللہ علیہ وسلم کو سب عربوں سے بڑھ کر فصاحت عطا کی۔ کلام الہی کے بعد عربی زبان میں فصاحت و بلاغت کا سب سے اونچا معیار حدیث نبوی کے وہ حصے ہیں جن میں

روایت باللفظ کا اہتمام ممکن ہو سکا ہے۔ خود نبی اکرم، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اس حقیقت کا اظہار بطور تحدیثِ نعمت، ان الفاظ میں مروی ہے:

”انا افصح العرب بید (۵) انی من قریش فنشأت فی بنی سعد“

”میں عرب کا فصیح ترین فرد ہوں کہ میرا تعلق قریش سے ہے اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی ہے“

جاہظ نے کتاب البیان والتبيين میں بعض ایسے جملے نقل کئے ہیں جو پہلی بار زبان مبارک سے ادا ہوئے اور پھر ضرب المثل کی سی حیثیت اختیار کر گئے (۶) مثلاً:

الان حمی الوطیس

لا ینتطح فیہ عنزان

لا یلسع المؤمن من حجر مرتین

پھر حضور کی فصاحت و بلاغت پر نہایت بلیغ گفتگو کی ہے اور آپ کے بعض ایسے فرمودات نقل کئے ہیں جن میں کمال جامعیت کے ساتھ بہت کم الفاظ میں بہت وسیع معانی سموائے گئے ہیں مثلاً:

الناس کلہم سواہ کاسنان المشط

المراء کثیر باخیه

الید العلیا خیر من الید السفلی

اور یہی وہ فرمودات ہیں جو آنحضور کے قول ”اعطیت جو امع الکلم“ کی تفسیر ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کی یہ شان آپ کی احادیث، خطبات اور مکاتیب، سب میں نمایاں نظر آتی ہے۔ اس حقیر سی تحریر میں صرف آخر الذکر یعنی مکاتیب نبوی ----- علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ----- کے ادبی پہلو کا ایک طائرانہ جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

دنیاۓ ادب میں تمام اہم شخصیات کے مکاتیب کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے کیونکہ ان میں

ان شخصیات کی بہت گہری پرتیں کمال برجستگی سے سامنے آجاتی ہیں۔ تاہم نبی امی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے مکاتیب گرامی کی سطح بنیادی طور پر مکاتیب کی عمومی صنف سے الگ اور ممتاز ہے آپ نے نہ کبھی ہاتھ میں قلم تھاما نہ محض ذاتی احوال کی تفصیل کے لئے خطوط لکھوائے اور نہ قدرت کلام کے مظاہرے کی غرض سے عبارت آرائی فرمائی۔ آپ کے خطوط انتہائی ضرورت کے تحت بالعموم بہت مختصر لیکن نہایت موثر پیرایہ بیان میں اظہار مطلب سے عبارت ہیں۔ اور یہی اس عظیم ہستی کے شایان شان بھی ہے جس کا ہر لفظ قانون کی حیثیت رکھتا ہو۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول :

” تاریخ نے ایسے کوئی دو ڈھائی سو خطوط محفوظ کئے ہیں جو آنحضرت، صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائلی شیوخ، صوبہ جاتی افسروں، اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے“ (۷)۔

ڈاکٹر ثار احمد فاروقی نے یہ تعداد ڈھائی سو سے زائد (۸) اور مولانا سید محبوب رضوی نے تین سو کے قریب بتائی ہے (۹)۔ ان میں سے چھ مکتوب اپنی اصل صورت میں دریافت بھی ہو چکے ہیں۔ ان کے بارے میں مشرق و مغرب کے محققین نے رق (parchment) کی کیفیت، عربی رسم الخط کی تاریخ ارتقاء اور دیگر قرائن کے پیش نظر مختلف آراء کا اظہار کیا ہے (۱۰) تاہم واضح رہے کہ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ کیا یہ دریافت شدہ چمڑے یا جملی کے ٹکڑے جن پر یہ مکاتیب درج ہیں واقعی عین وہی ہیں جو آنحضرت نے لکھوا کر ارسال فرمائے تھے یا بعد کے زمانے میں کسی نے مکاتیب نبوی کی عبارت ان پر نقل کر کے انہیں اصل دستاویز مشہور کر دیا۔ ورنہ جمال تک مکاتیب نبوی کے متون کا تعلق ہے وہ مختلف روایات کے ساتھ عمد بہ عمد،

مشہور مصادر علمی میں محفوظ چلے آ رہے ہیں مثلاً:

محمد بن اسحاق (م ۱۵۱ھ) کی السیرة النبویة

امام ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) کی کتاب الخراج

امام سعد (م ۲۳۰ھ) کی الطبقات

الجاحظ (م ۲۵۵ھ) کی البیان والتبيين

- امام بخاری (م ۲۵۶ھ) کی الجامع الصحیح
- امام مسلم (م ۲۶۱ھ) کی صحیح مسلم
- ابلاذری (م ۲۷۹ھ) کی فتوح البلدان
- امام نسائی (م ۳۰۳ھ) کی کتاب السنن
- ابن جریر طبری (ج ۲۱۰ھ) کی تاریخ الامم والملوک
- ابن عبد ربہ (م ۳۲۸ھ) کی العقد الفرید
- ابو الفرج الاصفہانی (م ۳۵۶ھ) کی کتاب الاغانی
- قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کی الشفاء
- سہیلی (م ۵۸۱ھ) کی الروض الالف
- یاقوت الحموی (م ۶۲۶ھ) کی معجم البلدان
- عزالدین ابن الاثیر (م ۶۳۰ھ) کی "الکامل فی التاریخ" "اور اسد الغابۃ"
- ضیاء الدین ابن الاثیر (م ۶۳۷ھ) کی المثل السائر
- ابن قیم (م ۷۵۱ھ) کی زاد المعاد
- القاسمی (م ۸۵۱ھ) کی صحیح الاعشی
- ابن حجر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) کی الاصابۃ
- ابن طولون (م ۹۵۳ھ) کی اعلام السالطین
- ابوالحسن الخلیلی (م ۱۰۳۳ھ) کی السیرۃ الخلیتہ
- الزرکانی (م ۱۱۳۲ھ) کی شرح المواہب

مکاتیب نبویؐ کے ادبی پہلو پر گفتگو کرتے ہوئے یہ بات ایک مرتبہ پھر دہرا دینی مناسب ہوگی کہ ان میں عام ذاتی اور نجی ادبی خطوط کی سی تفصیلات اور جزئیات کی تلاش نہایت نامناسب ہوگی۔ ان مقدس مکاتیب میں اگر کچھ ایسے خطوط مل بھی جائیں جن کا موضوع ذاتی کہلا سکتا ہے تو ان کی سطح بھی ذاتی نہیں رکھی گئی بلکہ ان کے مندرجات کو عمومی و اجتماعی سطح تک اٹھا کر معیاری رویوں کی تلقین کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت معاذ بن جبل کے بیٹے کی وفات پر ان کے نام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعزیت نامہ جس کا متن یوں مروی ہے:

”من محمد رسول اللہ الی معاذ بن جبل:

سلام علیک، فانی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الاہو، اما بعد
 فمظم اللہ لک الاجر، والہمک الصبر، فوزقنا ایاک الشکر،
 ثم ان انفسنا واهلینا فموالینا من مواہب اللہ السنیتہ،
 وعوارفہ المستودعتہ، نمتع بہا الی اجل معدود، فتقبض لوقت
 معلوم، ثم افترض علینا الشکر اذا اعطی، الصبر اذا ابتلی،
 وکان اینک من مواہب اللہ الہنیۃ، وعوارفہ المستودعتہ، متمک
 بہ فی غبطتہ وسرور، وقبضہ منک باجر کثیر: الصلاۃ والرحمتہ
 الہدی، ان صبرت واحتسبت، فلاجمعن علیک یا معاذ خصلتین:
 ان یحبط جزعک صبرک، فتندم علی ما فاتک، فلو قدمت علی ثواب
 مصیبتک، قد اطعت ربک، فتنجرت موعودہ، عرفت ان المصیبتہ قد
 قصرت عندہ، اعلم ان الجزع لا یرد میتا، ولا یدفع حزنا،
 فاحسن الجزا فتجنز للوعود، فلیذهب اسفک ماہو نازل بک فکان قد“ (۱۱)

اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام

سلام علیک، میں تمہارے ساتھ اللہ کی حمد کرتا ہوں، وہ کہ جس کے سوا ہرگز کوئی معبود نہیں۔

اما بعد، اللہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور تمہارے دل کو صبر آشنا کرے اور ہمیں اور تمہیں توفیق شکر ارزانی فرمائے۔ دیگر یہ کہ ہماری جائیں اور اہل و عیال اور دوست احباب سب اللہ کی بخشی ہوئی گراں قدر نعمتیں ہیں اور اس کے احسانات ہیں جو امانت کی صورت ہمارے پاس

ہیں۔ اور ایک میعاد مبین تک ہمیں ان سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے اور ایک وقت مقرر پر وہ ہم سے لے لی جاتی ہیں۔ پھر یہ کہ اس نے ہم پر شکر لازم کیا ہے بصورت عطا اور صبر بصورت ابتلا۔ تمہارا فرزند بھی اللہ کی بخشی ہوئی انہی نعمتوں اور امانت جیسے احسانات میں سے ایک تھا۔ اللہ نے تمہیں اس کی خوشیاں دکھائیں اور پھر اجر کثیر یعنی رحمت و ہدایت۔۔۔ کے عوض اسے تم سے لے لیا بشرطیکہ تم صبر اختیار کرو اور اللہ سے اجر کی امید رکھو سو اے معاذ، زہار دوسری محرومی نہ خرید لینا (یعنی محرومی اولاد اور محرومی ثواب) مبادا جزع جزع تمہارے صبر کو برباد کر دے اور بالاخر تمہیں اپنی محرومی پر ندامت ہو۔ اگر تمہاری توجہ اپنی مصیبت کے اجر کی طرف اس انداز میں رہی کہ تم اپنے پروردگار کی اطاعت میں لگے رہے اور اس کی جناب میں اس کا وعدہ پورا فرمانے کی استدعا کرتے رہے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مصیبت اجر کے مقابلے میں کم تھی، یاد رکھو کہ رونے دھونے سے مرنے والا واپس نہیں آجایا کرتا اور نہ غم غلط ہوتا ہے سو خوبی جزا کے لئے کوشاں رہو اور (ثواب) موعود کے طلب گار بنو اور جو چیز خود تم پر وارد ہونے والی ہے۔ (یعنی موت)۔۔۔ اس کے پیش نظر تمہارا افسوس مٹ جانا چاہئے کیونکہ سمجھو کہ وہ اب آئی اور اب آئی۔“

اس خط کی پیغمبرانہ شان بڑی واضح ہے جو انسان کو موت سے ماورا دیکھنے کے لائق بناتی ہے۔ لیکن اس کا اسلوب کسی واعظ خشک کے وعظ کی طرح درد مندی کے احساس سے عاری نہیں بلکہ اس کی عبارت میں اولوالعزمی کا درس درد مندی ہی کے خیر میں گنہگار ہوا ہے۔

کتوب کی زبان اور اسلوب، ایجاز و اعجاز اور سادگی و پرکاری کے اس مرتبہ عالی پر فائز ہے جسے فصاحت اپنا منتہی اور بلاغت اپنا آئینہ معیار قرار دے سکتی ہے۔ عربیت کا ذوق رکھنے والے دیکھ سکتے ہیں کہ یہ چھوٹے چھوٹے جملے کتنے بڑے بڑے مطالب کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں اور کیسے موتی سے الفاظ کس خوبصورتی اور سلیقے سے عبارت میں جڑے ہوئے ہیں۔ سادہ مگر پر مغز سہل مگر ممتنع کسی اور زبان میں کیونکر سمجھایا جائے کہ ”افترض علینا الشکر اذا اعطی والصبر اذا ابتلی“ میں جو امح الکلم کی شان جامعیت کس طرح آشکار ہے اور ”ولینہب اسفک ماہو نازل بک وکان قد“ کے گنے پننے الفاظ میں کتنے تہ بہ تہ معانی کس قدر بھرپور تاثر کے ساتھ

گندھے ہوئے ہیں۔

جاہظ نے البیان والتبيين میں فصاحت نبوی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے:

”وانا اذکر بعد هذا فنا اخر من کلامه (ص) فهو الکلام الذی قل عدو خروفه وکثر عدو معانيه
وجل عن الصنعتہ ونزه عن التكلف وکان ‘ کما قال اللہ تبارک وتعالی قل یا محمد وما انا من
المتکلفین“۔ (۱۳)

”اس کے بعد میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کے ایک اور اسلوب کا ذکر کرتا ہوں یہ وہ کلام ہے جس کے حروف کی تعداد بہت کم اور معانی کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ یہ قسح سے بری ہے اور تکلف سے پاک۔ اللہ تبارک وتعالی کے اس قول کے عین مطابق کہ اے محمد کہہ دو ”وما انا من المتکلفین“ (۱۳) میں تکلف اختیار کرنے والوں میں سے نہیں ہوں“ (۱۳)

بلاغت کی مختصر ترین تعریف ’کلام کا متعنائے حال کے مطابق ہونا ہے۔ یعنی جہاں اختصار کا موقع ہو وہاں اختصار سے کام لیتا اور جہاں تفصیل کا تقاضا ہو وہاں تفصیل اختیار کرنا۔ تکرار بے سبب سے بیعتوں میں آکاہٹ پیدا نہ کرنا لیکن اگر موقع اور موضوع تکرار ہی کا مطالبہ کرتا ہو تو اس سے گریز نہ کرنا نیز مخاطب کے مزاج اور اس کی عقل کے مطابق کلام کرنا۔

مکاتیب نبوی بلاغت کے ان معیاروں کے لئے مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہر مکتوب متعنائے حال کے عین مطابق ہے۔ جہاں اختصار کی ضرورت ہے وہاں ایک حرف زائد نہیں ملتا۔ جب سبیلہ کذاب نے دعوائے نبوت کیا تو بزعم خویش سبب رسالت ہو کر حضور سے بڑا کرنا چاہا اور لکھا:

”من مسیلمتہ رسول اللہ الی محمد رسول اللہ

”سلام علیک اما بعد فانی قد اشرکت فی الامر مکم وان لنا نصف الارض والقریش نصف

الارض ولكن قريشا قوم يعتمدون“ (۱۴)

”اللہ کے رسول سبیلہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کی طرف سلام علیک، اما بعد واضح ہو کہ مجھے آپ کے ساتھ شریک معاملہ بنا دیا گیا ہے آدمی زمین ہم دونوں کی ہے اور آدمی قریش

کی لیکن قریش اپنی حدود سے تجاوز کرنے والے لوگ ہیں“
 سیلہ کی اس لن ترانی کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حد درجہ مختصر جواب
 لکھوایا:

”بسم اللہ الرحمن الرحیم

من محمد رسول اللہ الی مسیلمہ الکذاب

سلام علی من اتبع الهدیٰ اما بعد فان الارض للہ یورثها من یشاء

من عباده والعاقبتہ للمتقین“ (1۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے رسول محمد کی طرف سے سیلہ کذاب کے نام، سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی
 پیروی اختیار کی، اما بعد، واضح ہو کہ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس
 کا وارث بناتا ہے اور انجام انہی کا اچھا ہو گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں“

اس مختصر سی تحریر میں سرزنش کا صرف ایک لفظ ”الکذاب“ — اور وہ بھی اس
 مناسبت سے کہ سیلہ نے اپنے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھا تھا اور اللہ کے سچے رسول کو اس کی
 نفی کرنا لازم تھا۔ باقی سارے کتب کی سطح قلم کسار کی طرح بلند ہے جو خاک اگندہ سنگ
 ریزوں کی سطح پر اتر ہی نہیں سکتا۔ نہ سوال نہ جواب نہ دعویٰ نہ دلیل۔ ایک عمومی پیرایہ بیان
 ہے اور ایک اصولی بات اور وہ بھی قرآن کے الفاظ میں۔ ما یمنق عن الہوی کے اس عظیم پیکر
 نے اپنی طرف سے کچھ کہا ہی نہیں لیکن خطاب کے بغیر ہی سیلہ کی یا وہ گوئی کا جواب از خود
 فراہم ہو گیا۔ عدم مخاطب کے ذریعے جواب مسکت کا یہ انداز سیلہ کی بے بضاعتی اور بے حیثیتی
 کا وہ بھرپور تاثر پیدا کرتا ہے جو جواب تلخ سے ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ سرزنش کا واحد لفظ
 ”الکذاب“ بھی خطاب راست کی صورت میں نہیں بلکہ تعریض غائبانہ کے اسلوب میں ہے۔

اختصار کے موقع پر کمال اختصار کی اس مثال کے پہلو بہ پہلو ان دستاویزوں پر بھی نظر ڈالنے

جن میں حضور کی جانب سے کسی معاہدے کی شرطیں لکھوائی گئی ہیں یا مختلف گروہوں کے حقوق و فرائض کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ ان دستاویزوں کی حیثیت چونکہ قانونی ہوتی ہے لہذا ان میں بلاغت کا تقاضا مزد و کنایہ نہیں بلکہ وضوح کامل ہے جس کے لئے با اوقات ہر ہر شق میں یکساں الفاظ کی تکرار ضروری ہوتی ہے۔ مدینہ میں قیام پذیر ہو جانے کے بعد آپ نے ماجرین، انصار اور یہود مدینہ کے لئے جو معاشرتی ضوابط وضع فرمائے ان پر مشتمل دستاویز کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

المہاجرین من قریش علی رباعتہم یتماقلون بینہم ، فہم یدفون عانیہم بالمعروف والقسط۔
 بین المومنین فبنو عوف علی ربا عتہم یتماقلون ممالہم الا ولی ، وکل طائفہ تفتی عانیہا
 بالمعروف والقسط بین المومنین۔ فبنو ساعدتہ علی رباعتہم یتماقلون ممالہم الا ولی ، وکل
 طائفتہ مہم تفتی عانیہا بالمعروف والقسط بین المومنین فبنو الحارث علی رباعتہم یتماقلون
 ممالہم الا ولی ، وکل طائفتہ تفتی عانیہا بالمعروف والقسط بین المومنین۔ (14)

وعلیٰ ہذا القیاس نو گروہوں کے لئے یکساں احکام اجمالا بیان کرنے کے بجائے نام بہ نام یکساں تفصیل کے ساتھ دہرائے گئے ہیں۔ کیونکہ عربوں کی قبائلی حیثیت کے پیش نظر نیز خود نوعیت کلام کے اعتبار سے مقتضائے حال یہی تھا۔ اس نوع کی دستاویزوں میں حضور کا اپنا نام نامی بھی منکلم کے بجائے بعینہ عائب لایا گیا ہے جو قانونی نوعیت کے وثائق کے عین حسب حال ہے مثلاً ”محولہ بالا دستاویز کے یہ جملہ دیکھئے:

”وانکم مہما اختلفتم فیہ من شئی فان مردہ الی اللہ عزوجل والی محمد“ (۱۷)

”وانہ لایخرج منہم احد الا باذن محمد“ (۱۸)

کلام مقتضائے حال کا ایک اور پہلو مخاطب کی سطح ذہنی کو مد نظر رکھنا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب گرامی میں اس پہلو کی بھی پوری رعایت نظر آتی ہے۔ مثلاً ”جب خطاب کسی ٹھیکہ عرب سے ہے تو جزالت الفاظ اور فصاحت اسلوب، لغات عرب پر اقدار کامل کی دلیل بن کر سامنے آتی ہے اور آج نہ صرف اہل عجم کو بلکہ خود عربوں کو بھی ان مکاتیب کا مفہوم تفسیر الغریب کے بغیر سمجھنا محال ہے کیونکہ اس میں خطاب ان عرب العراء سے تھا جن کا محاورہ و روز مرہ اسی سطح کا تھا اور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آغاز کلام اسی اسلوب میں کیا کرتے تھے۔

مثال کے طور پر ضیاء الدین ابن الاثیر نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”المثل السائر“ میں لحنہ بن ابی زحیر کا وہ خطاب نقل کیا ہے جو قبیلہ بنو نعد کے نمائندہ کی حیثیت سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ یہ خطاب غراب لغت سے پر ہے۔ پھر اسی کے جواب میں آپ نے دعا فرمائی نیز جو تحریر بنو نعد کے نام لکھوا کر دی وہ بھی ضیاء الدین ابن الاثیر نے نقل کی ہے جو ٹھیکہ عربیت کا پر زور نمونہ ہے (۱۹) بعد ازاں یوں تبصرہ کیا ہے :

”وفصاحتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تقتضی استعمال هذه الالفاظ ولا تکاد توجد فی کلامہ الا جواباً لمن یخاطبہ بمثلها کهذا الحدیث وما جرى مجدها ‘ علی انه قد کان فی زمنہ متداولاً بین العرب ولکنہ صلی اللہ علیہ وسلم لم يستعمله الا یسیراً“ لا نہ اعلم بالفصحیح والافصح (۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت ان الفاظ کے استعمال کی متقاضی نہ تھی اور اس طرح کے الفاظ آپ کے کلام میں عموماً اس وقت پائے جاتے ہیں جب آپ کسی ایسے شخص کو جواب دے رہے ہوں جس نے آپ سے ایسے ہی الفاظ میں خطاب کیا ہو مثلاً ”یٰ محمدؐ“ یا اسی طرح کے دیگر مواقع۔ مزید برآں یہ بھی ہے کہ آپ کے زمانے میں یہی عربوں کا روز مرہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کم ہی برتا ہے کیونکہ آپ کو خوب علم تھا کہ فصیح کیا ہے اور زیادہ فصیح کیا ہے۔“

ٹھیکہ عربوں سے اس طرز خطاب کے مقابلے میں غیر عرب مخاطبین، جن کو صرف مضمون مکتوب کی ترجمانی سے غرض ہے، سے آپ کا خطاب سیدھے سادھے انداز میں چند ٹھوس بیانات پر مشتمل ہوتا ہے مثال کے طور پر دیکھئے نجاشی شاہ حبشہ، ہرقل شاہ روم، کسریٰ شاہ ایران، اور مقوقس شاہ مصر کے نام آپ کے نامہ ہائے مبارک جو تقریباً ”یکساں عبارت پر مشتمل ہیں۔“

جہاں جہاں فرق ہے مخاطب کی شخصیت ہی کے حوالے سے ہے مثلاً ”نجاشی کے نام خط میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی عقیدے کا مختصر لیکن موثر بیان جس کے الفاظ یوں

مروی ہیں ”..... واشهد ان عیسیٰ بن مریم روح اللہ وکلمتہ القاها الی مریم البتول الطیبہ الحصینتہ، فحملت بعیسیٰ، مملئہ روحہ وفضلہ، کما خلق آدم بیہدہ وفضلہ، وانی ادعوک الی اللہ

” اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم، روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں جس کا القاء اللہ نے گوشہ نشین، پاکباز اور عفت ماب مریم پر کیا سو عیسیٰ نے ان کے ہلن میں قرار پکڑا یہ قرار روح الہی اور نفع الہی کے سبب سے تھا جس طرح آدم کو اللہ نے اپنے ہاتھ اور نفع سے خلق فرمایا تھا۔ اور میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ایک ہے اور اس کا ہرگز کوئی شریک نہیں۔“ یعنی حضرت عیسیٰ و حضرت مریم علیہما السلام کے بارے میں اہل اسلام عزت و احترام کے جذبات رکھتے ہیں، نجاشی کے اس وقت کے عقیدے کی مناسبت سے ان کا ذکر فرمایا اور ساتھ ہی اسلام کو توحید پر جو اصرار ہے اور شرک و تثلیث سے جو نفور ہے اس کا اعلان دو ٹوک انداز میں کر دیا۔

تبلیغی خطوط میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کا ایک جملہ ”اسلم تسلّم“ کئی بار استعمال ہوا ہے (۲۲) جو روح بلاغت اور جان فصاحت ہے۔ کسی قدر مختصر اور کتنا جامع۔ امر اور جواب امر کے ان دو صیغوں کا لطف اہل ذوق سے مخفی نہیں۔ پھر ”س ل م“ سے ان دونوں کے اشتقاق میں حسن تجانس کی جو کیفیت اور جو صوتی حسن پایا جاتا ہے۔ وہ سونے پر ساگہ ہے۔ دو لفظ کے اس مختصر سے جملہ پر آیہ قرآنی ”ان نمودنا نعد“ (۲۳) کا جلال و جمال عکس اقلن ہے۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے:

حق جلوہ گر زطرز بیان محمد است
 آری کلام حق بزبان محمد است
 آئینہ دار پر تو مہر است ماہتاب
 شان حق آشکار زشان محمد است

اپنی معروضات ختم کرنے سے پیشتر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر مبارک کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جو آپ کے مکاتیب کے محاسن معنوی میں مسک الختام کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مہر میں نیچے نام نامی ”محمد“ اس کے اوپر منصب گرامی ”رسول“ اور سب سے اوپر اسم جلال ”اللہ“ یہ ترتیب کتنی یا معنی ہے اور حدیث پاک ”ادینی ربی فاحسن نادیبی“۔ ”میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور کمال خوبی سے سکھایا“ کی کیسی منہ بولتی تصویر ہے۔

مکاتیب نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ادبی محاسن کا یہ سرسری سا جائزہ کسی طرح اپنے موضوع کا حق ادا نہیں کرتا تاہم آج کی نشست میں اپنے حصے کے وقت کا خیال رکھتے ہوئے مجھے - تفصیلی کے احساس کے باوجود - - - - - اسی پر اکتفا کرنا ہے :

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
 سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کے لئے

حواشی اور حوالہ جات

- ۱- قرآن مجید ۲۳/۲
- ۲- ایضاً ۲۳/۲
- ۳- الباقلائی، ابوبکر، محمد بن الیوب، اعجاز القرآن، تحقیق السید احمد مقرر، دارالعارف، مصر، اللبجہ
الرابعہ ۱۹۷۷ء ع، ص ۳۰۳
- ۴- البرد، ابو العباس، محمد بن یزید، الکامل، تحقیق محمد احمد الدالی، بیروت، اللبجہ الاولیٰ، ۱۳۰۶ھ /
۱۹۸۶ء جلد اول، ص ۳۸
- ۵- لفظ ”بیہ“ کے لغت میں تین مفہوم بتائے گئے ہیں:
”غیر“، ”علی“ اور ”من اجل“
- اس حدیث میں پہلے مفہوم کو کھپاتے ہوئے بعض کتب بلاغت میں اسے تائید المدح بما یشبہ الذم کی ایک
مثال تصور کیا گیا ہے (مثلاً دیکھئے، علی الجارم ومصطفیٰ امین، ابلاخ الواسخ، المدارس النوفیہ،
دارالعارف، مصر ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء، ص ۲۴۳) تاہم میرے ذاتی ذوق کے مطابق تیسرا مفہوم اس سیاق
میں مناسب ترین معلوم ہوتا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ زبیدی نے یہ مفہوم ابن ہشام کے
حوالے سے درج کر کے لکھا ہے کہ ابن ہشام نے اس مفہوم کی مثال کے طور پر یہی حدیث نقل کی (دیکھئے
تاج العروس ”بیہ“)
- ۶- الجاخط، ابو عثمان، عمرو بن بکر، البیان والتبيين، تحقیق فوزی عطوی، بیروت، ۱۹۶۸ء، ص ۲۲۰۔
- ۷- محمد حیدر اللہ ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت مقاتل مولوی مسافر خانہ، کراچی، جنوری
۱۹۸۰ء، ص ۱۳۳۔
- ۸- رسالہ ”نقوش“، رسول نمبر، ادارہ فروغ اردو، لاہور، شمارہ ۱۳۰، دسمبر ۱۹۸۲ء، جلد دوم، ص ۲۰۹
- ۹- مولانا سید محبوب رضوی، کتبوبات نبوی (علیٰ صا مہما السلوة والسلام)، ادارہ اسلامیات، لاہور،
اشاعت اول، مئی ۱۹۷۸ء، ص ۳۰۔
- ۱۰- دیکھئے، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵،
”رسالت النبی اکرم الیٰ ہر قل ملک الروم“، سمیۃ الجبرئیل، مع انگریزی ترجمہ، رسالہ:
احمد ذکی صفوت، حمرة رسائل العرب..... المکتبۃ الطیبیۃ، بیروت، ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۷ء، جلد اول،
ص ۶۶-۶۷۔
- ۱۱- البیان والتبيين، ص ۳۲۱۔
- ۱۲- قرآن مجید، ۳۸/۸۶۔

